عالمی یومِ خواتین کے سو سال

جناب شکیل حسن شمسی صاحب ''راشٹریہ سہارا''، دہلی

جس طرح اہل یورپ نے یوم مادر، یوم پدر اور یوم محبت جیسے کچھ خاص دن مخصوص کئے اسی طرح انھوں نے ہر سال ۸/مارچ کے دن کو عالمی یوم خواتین قرار دیا۔ اہل یوروپ کو خواتین کی یاد ۱۹۱۰ء میں آئی اور انھوں نے ڈنمارک کی راجدھانی کوپن ہیگن میں ہونے والی سوشلسٹ خواتین کی دوسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر یہ فیصلہ کیا کہ سال میں کم سے کم ایک دن تو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے لئے مخصوص کر ہی دیا جانا چاہئے۔ اسی کانفرنس میں فیصلہ ہوا کہ ہر سال عالمی یوم خواتین منایا جائے گا۔ اس کانفرنس کے بعد کئی ملکوں نے اپنے یہاں ایک دن مقرر کرلیا کہ وہ عالمی یوم خواتین منائیں گے، لیکن کسی ایک تاریخ پر اتفاق نہیں ہو سکا اس لئے الگ الگ ممالک میں الگ الگ تاریخوں میں یہ دن منایا جانے لگا۔

ابتدائی دنوں میں اس کو انٹرنیشنل ورکنگ ویمنس ڈے کے روپ میں منایا جاتا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں جرمنی میں پہلا عالمی یوم خواتین منایا گیا لیکن روس کے انقلاب کے بعد پہلی بار ۱۹۱۷ء میں حقیقی طور پر یوم خواتین کے انعقاد کی تقریبات کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور باقاعدگی سے یہ دن منایا جانے لگا۔

لیکن یہ دن کام کاجی خواتین کے لئے ہی مخصوص تھا اور اس دن کو ایک جشن کے طور پر منائے جانے کا جواز بھی تھا کیوں کہ ایک زمانے میں عورتوں کو دفتروں، دوکانوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے کا حق نہیں تھا۔ خواتین کو گھر کی زینت سمجھا جاتا تھا ان کو مردوں نے اس طرح باندھ کر رکھا تھا کہ وہ معاشی طور پر ہمیشہ مردوں پر منحصر رہیں اور کبھی بھی آزادی کے ساتھ اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ نہ لے سکیں۔ پرانے زمانے میں وسائل بھی اتنے زیادہ نہیں تھے اور زندگی گزارنے کے لئے اتنے سرمائے کی ضرورت بھی نہیں تھی اس لئے خواتین کا کام کرنا نہ کرنا اتنا اہم بھی نہیں تھا اس لئے جب یوروپ میں خواتین کو کام کرنے کا حق ملا تو ان کا جشن منانا فطری تھا۔ بہرحال اگر اس دن کی شروعات پر نظر ڈالیں تو اس حساب سے اس دن کو سو سال ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے ساری دنیا میں یہ دن بہت زیادہ جوش وخروش کے ساتھ منایا جا رہا ہے۔

اسلامی دنیا یا مسلمانوں سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں تھا ہندوستان میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن جب ۱۹۷۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۸/مارچ کو عالمی حقوق نسواں اور آزادی کا دن قرار دے کر اس کو UN Day for Women's Rights and International Peace کا نام دیا تو پھر دنیا بھر میں سب ممالک ہی اس کو منانے لگے۔ ہمارے ملک میں بھی یہ دن اسی وجہ سے منایا جانے لگا کہ اس کو اقوام متحدہ نے خواتین کا دن قرار دیا ہے حالانکہ اس کی وجہ تسمیہ سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ ۸/مارچ کو ہی کیوں منایا جاتا ہے، کیوں کہ ہندوستان میں منانے کے لئے بہت سی ایسی خواتین کا یوم پیدائش کا موقع تھا جب کہ اس دن کو منایا جا سکتا تھا۔ ویسے ایران میں یہ دن منانے کے لئے پیغمبر حضرت محمدؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کے یوم ولادت کو منتخب کیا گیا ہے اور وہاں کے شمسی کیلنڈر کے حساب سے یہ دن ۲۲ بہمن کے روز منایا جاتا ہے۔

میرے خیال میں یہ دن کب منایا جائے اور کب نہ منایا

جائے اس پر بحث کرنا فضول ہے بات اس پر ہونی چاہئے کہ کیا کسی ایک دن کو ہم عورتوں کے نام مخصوص کرکے اپنے فرائض کی ادائیگی سے سبکدوش ہوجاتے ہیں؟ کیا اتنا کافی ہے کہ ۸/مارچ کو کچھ فنکشن ہوں اور کچھ اخباروں میں مرکزی اور صوبائی سرکاروں کی طرف سے اس بارے میں اشتہارات شائع کردیئے جائیں بس؟ کیا اتنا کافی ہے کہ اسی دن اگر سپریم کورٹ کا فیصلہ ممبئی کی ایک نرس ارونا شان باگ کو موت بالرضا کا حق نہ دے تو ہم اس کو خواتین کے حقوق سے جوڑ کر اسے یوم خواتین کا حصہ بنادیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے خیال میں کسی ایک دن کو یوم خواتین کا نام دے کر ہم عورتوں کی عظمت کو بڑھانے کے بجائے گھٹانے کا کام زیادہ انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس عورت کے رحم میں تمام انسانوں کو پرورش پانے کا موقع دیا اور جس کو اس نے ایثار ومحبت کا ایک ایسا نمونہ بنا کر پیش کیا جس کا مقابلہ کوئی مرد نہیں کرسکتا اس کے لئے صرف ایک دن مخصوص کیا جائے؟ یہ کرم ہے یا ستم؟

ہماری زندگی کا ہر لمحہ اپنی ماؤں کا ممنون کرم ہے تو ہم ایک دن اس کے نام سے منسوب کرکے کون سا آسمان زمین پر اتارے لے رہے ہیں؟ خاص طور پر ہندوستانی معاشرہ جہاں آج بھی عورتوں کو طرح طرح کے ظلم وستم کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ وہ ہندوستانی سوسائٹی جو لڑکی کی ولادت پر آنسو بہاتی ہے اور لڑکے کے پیدا ہونے پر مسکراتی ہے اور وہ ہندوستانی سماج جو لڑکوں کو جنم دینے والی ماؤں کو خوش قسمت اور لڑکی کو جنم دینے والی ماؤں کو منحوس سمجھتا ہو وہاں کیا اس دن کی تقریبات کی کوئی اہمیت ہے؟ جس ملک میں شکم مادر میں ہی چوری چھپے لڑکیوں سے جینے کا حق چھین لینے کا سنگین گناہ آج بھی دھڑلے سے ہوتا ہو، جس ملک میں ٹرینوں، بس اسٹینڈوں، کچرے کے ڈبوں اور فٹ پاتھوں پر آج بھی نوزائیدہ لڑکیاں لاوارث پڑی ہوئی ملتی ہوں وہاں کیا یوم خواتین منائے جانے کا کوئی مطلب ہے؟

ویسے تو یہاں باتیں تو بڑی بڑی کی جاتی ہیں کہا جاتا ہے کہ اس ملک میں عورت کو دیوی کا درجہ حاصل ہے لیکن عورت کا حال کیا ہے وہ قدم قدم پر نظر آتا ہے کس طرح بیوہ عورتوں کی توہین وتضحیک ہوتی ہے۔ کس طرح بوڑھی ماؤں کو ان کے ہی بیٹے مقدس سمجھے جانے والے شہروں میں چھوڑ آتے ہیں۔ کس طرح لڑکیوں کو تعلیم اور تربیت سے محروم رکھنے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے؟ یہ سب اپنی زبان سے بیان کرتا ہے یہاں کے حالات کو اور خواتین کی کسمپرسی کو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ خواتین کا استحصال کسی خاص فرقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ قومیں بھی اس میں شامل ہوگئی ہیں جن کے مذہب نے ماں کے پیر کے نیچے بہشت بریں دکھائی ہے۔ وہ لوگ بھی عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے لگے ہیں جن کو معلوم ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؑ اپنے زمانے کی عرب کی سب سے مشہور خاتون تاجر تھیں۔ اس قوم کا ایک گروہ بھی عورتوں کے استحصال میں لگا ہے جس کو معلوم ہے کہ اللہ نے مرد وزن کو برابر کے حقوق دیئے ہیں۔

ہندوستانی معاشرہ کا رنگ ایسا چڑھا ہے یہاں کے فرزندان توحید پر کہ اگر کسی کے گھر میں چار لڑکیاں ہیں تو وہ بھی اپنے آپ کو بدقسمت سمجھ کر ہر وقت تقدیر کو کوستا رہتا ہے۔ اللہ نے خواتین کو جو حقوق دیئے ہیں ان کو سماجی بندشوں کے نام پر غصب کرنا اور عورتوں کو وہ آزادیاں جو اسلام نے عطا کیں ہیں ان کو رسوم کے نام پر سلب کرنا ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔ ہمارے سارے معاشرے میں ہندوستانی رسوم اس طرح سے رچ بس گئی ہیں کہ بعض وقت ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی رسم نہیں بلکہ اسلام کا کوئی حکم ہے۔ خاص طور پر شادی بیاہ کی رسموں میں ایسی ایسی چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اگر ناک میں نتھ نہیں ہو تو نکاح نہیں ہوگا، سرخ جوڑا اگر سسرال سے نہیں آیا تو لڑکی دلہن نہیں بنے گی، بڑا سا سہرہ نہیں ہوگا تو نوشہ میاں اپنے گھر سے نہیں نکلیں گے۔ ماں باپ کو لگے گا ہی نہیں کہ گھر میں شادی ہو رہی ہے اور پھر لڑکی کی رخصتی کے وقت جب تک سارا گاؤں آنسو نہیں بہائے گا لڑکی کے گھر والوں کو لگے گا ہی نہیں کہ لڑکی چلی

گئی۔کیا شادیوں میں اس طرح رو کر ہم بھی اسی عقیدہ کا اظہار نہیں کرتے کہ ہم نے لڑکی کو دان کر دیا اور اب اس پر ہمارا کوئی حق نہیں وہ غیر کی ہوگئی اب اس پر ماں باپ کا کوئی حق نہیں؟ کیا اسلام نے ایسا کوئی حکم دیا ہے کہ جس سے یہ طے ہو سکے کہ شادی کے بعد لڑکی پر ماں باپ کا کوئی حق نہیں رہتا؟

خواتین کے معاملے میں اسلامی قوانین کی دھجیاں اڑائے جانے کی اس وقت تو حد ہی ہوگئی جب ہریانہ کی ایک مسلم پنچایت نے ایک ہی گوتر میں شادی کئے جانے کی شدید مخالفت کی۔ حالانکہ رسول اکرمؐ نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی اپنے سب سے قریبی رشتے دار حضرت علیؑ سے کی، لیکن ہمارے ہندوستانی معاشرے کا رنگ ایک مسلم پنچایت پر ایسا غالب ہوا کہ انھوں نے گوتر جیسے غیر انسانی فلسفہ کو مان لیا۔ خیال رہے کہ اسی گوتر کے نام پر آج ہریانہ، راجستھان اور پنجاب میں آباد لڑکیوں کی زندگی اجیرن ہوگئی ہے اور کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جب دو چار لڑکیاں کسی گاؤں میں خاموشی سے مار نہ دی جاتی ہوں۔

ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں اس میں عورت کے خلاف جرم کرنے کی ایک خاص ذہنیت موجود ہے اور اس ذہنیت کو بدلنے کے لئے کسی ایک دن کو عورتوں کے نام منسوب کر کے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ ہم کو ہر دن خواتین کے جائز حقوق ان تک پہنچانے کے لئے کام کرنا ہوگا۔ خاص طور پر مسلم علماء کو اس معاملے میں ایک بھرپور مہم چلانا ہوگی جس کے تحت عورت کو وہ درجہ مل سکے جو اسلام نے اس کو عطا کیا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۹/مارچ ۲۰۱۱ء)



(بقیہ۔۔۔۔۔۔کربلا شناسی) جنھوں نے دنیا کو کامل توحید کا پیغام پہنچایا۔ اور بت پرستی، اقتدار پرستی، سرمایہ پرستی، غرض کہ ہر طرح پرستش سے مخالفت کی اور ابوطالب کے فرزند امیرالمومنین حضرت علی مرتضی کا سبب بنی رہی۔

حضرت پیغمبرؐ خدا کی ایک بیٹی تھیں فاطمہ زہراؑ جن کی ان کے بلند اوصاف کی بناء پر آپ اتنی عزت کرتے تھے کہ جب وہ آپ کے پاس آتی تھیں تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، اور بکثرت حدیثیں آپ نے ان کی فضیلت کے بارے میں ارشاد کیں جن میں ایک یہ تھی کہ وہ سردار زنانِ جنت اور سردار زنانِ اہلِ ایمان ہیں، اور فرمایا کہ فاطمۃُ بَضعَۃٌ مِنّی یعنی فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑا ہے۔ ان کی شادی حضرت علیؑ مرتضی سے ہوئی اور انہی دونوں مقدس اور بزرگ ماں باپ سے دو فرزند پیدا ہوئے ایک حسن مجتبیٰؑ اور دوسرے حضرت امام حسینؑ شہید کربلا، جن کا نام حسینؑ حسینؑ کے الفاظ میں محرم کے زمانہ میں اکثر شہروں اور دیہاتوں میں اکثر مکانات اور تقریباً ہر رہ گذر پر سنائی دیتا ہے۔

حضرت امام حسینؑ پیغمبر اسلامؐ کے نواسے اور حضرت علیؑ کے بیٹے تھے، آپ کی زندگی اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ تھی، اور شیعہ مسلمان آپ کو تیسرا امام یعنی پیغمبرؐ خدا کا تیسرا جانشین اور رسولؐ کے بعد خدا کی طرف کا مقرر کردہ تیسرا رہبر دین مانتے ہیں۔

شام کا حاکم یزید، جو آوارہ مزاج، شراب خوار اور بڑا ہی فاسق و فاجر تھا، آپ سے غیر مشروط طور پر اپنی اطاعت کا عہد لینا چاہتا تھا۔ اسے آپ نے گوارا نہ کیا۔ اسی بناء پر یزیدی فوج نے آپ پر چڑھائی کی اور ۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلا کی سرزمین پر تین دن کی بھوک اور پیاس میں آپ کے جاں نثار ساتھی اور جوان و کمسن بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے یہاں تک کہ شیر خوار چھ مہینے کا بچہ تک دشمنوں کی تلواروں، نیزوں اور تیروں کا نشانہ ہو گئے۔

آپ کے خیام میں آگ لگا دی اور آپ کے پسماندگان کو جن میں صرف ایک مرد یعنی بیمار فرزند زین العابدینؑ تھے اور جن میں پیغمبر اسلامؐ کی حقیقی نواسیاں تک موجود تھیں، قید کر کے انتہائی ظلم و بربریت کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔

یہی دردناک اور دلدوز مثالی کارنامہ ہے جس کی یاد ہر سال ماہِ محرم میں تازہ کی جاتی ہے اور اس کی یادگار میں اخباروں کے مخصوص شمارے ''حسین نمبر''، یا ''محرم نمبر'' کے نام سے شائع کئے جاتے ہیں۔

